# اخبارِ اُمت

## عالمِ عرب: تبدیلی کے مراحل

عبدالغفار عزیز

دنیا کی کوئی بھی دوسری سیاسی جماعت ہوتی تو وہ اس وقت مکمل اقتدار کو اپنا قانونی و اخلاقی حق قرار دیتے ہوئے زیادہ سے زیادہ مناصب سمیٹ لیتی، لیکن یہ شرف صرف اسلامی تحریک کو عطا ہوا کہ اس نے گھر آئے اعلیٰ مناصب دوسروں کو پیش کر دیے۔ مصری تاریخ میں یہ پہلے حقیقی آزادانہ انتخابات تھے۔ اتنے بڑے پیمانے پر عوام کی شرکت بھی پہلی بار ہوئی۔ ۵۵ روز جاری رہنے والے طویل انتخابی عمل کے بعد ۲۱ جنوری کو حتمی نتائج آئے تو الاخوان المسلمون کو ۴۹۸ میں سے ۲۳۵ یعنی ۴۷ء۱۲ فی صد نشستیں حاصل ہوئیں۔ دوسرے نمبر پر آنے والے تین جماعتی سلفی اتحاد 'النور' کو ۱۲ فی صد نشستیں ملیں جب کہ دیگر پارٹیاں اس سے بھی پیچھے تھیں۔ اخوان نے پہلے دو مرحلوں میں ہی اپنی اس قوت کا اندازہ کرلیا تھا۔ مشاورت میں ایک رائے یہ پائی جاتی تھی کہ یہ سنہری موقع ہے اب ہمیں صدر مملکت بھی اپنا لانا چاہیے وزیراعظم اور سپیکر بھی اور تمام اہم وزرا بھی، لیکن طویل غور وخوض کے بعد اعلان کیا گیا کہ ہم نے اپنا صدارتی اُمیدوار نہ لانے کا اعلان تو حسنی مبارک کے خلاف تحریک کے دوران ہی کر دیا تھا اور تقریباً نصف نشستیں حاصل کر لینے کے بعد اعلان کرتے ہیں کہ ہم وزارت عظمیٰ کے لیے بھی اپنا کوئی اُمیدوار نہیں لائیں گے۔ البتہ سپیکر ہم اپنا لائیں گے۔ اعتراض کرنے والے تو اس اعلان کو بھی منفی رنگ دے رہے ہیں لیکن اخوان یکسو ہیں کہ ہمیں بہرصورت ترجیحات کو پیش نظر رکھنا ہے۔ ٹھیک ہے کہ تاریخی کامیابی حاصل کر لینے کے بعد سب

مناصب حاصل کیے جاسکتے ہیں لیکن اس دستور ساز اسمبلی کا اصل فریضہ ملک کو آزادانہ طور پر لکھا جانے والا پہلا دستور دینا ہے اس لیے ہماری تمام تر توجہ اسی پر رہنا چاہیے۔ انقلاب کے بعد امیر جماعت سید منور حسن کی قیادت میں مصر جانے والے وفد کو مرشد عام ڈاکٹر محمد بدیع اسی وقت کہہ رہے تھے: ملک طویل عرصے سے ظالم اور کرپٹ ڈکٹیٹرشپ کے پنجوں میں جکڑا ہوا تھا۔ ہمارا معاشرہ ابھی مکمل طور پر اسلامی نظام کی برکات ہی سے آگاہ نہیں ہے۔ ہماری کوشش اور حکمت عملی یہ ہوگی کہ آیندہ انتخاب میں پارلیمنٹ کے اندر زیادہ سے زیادہ قوت حاصل کریں، حکومت سازی میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کریں لیکن اپنی ساری توجہ معاشرے کو بابرکت اسلامی نظام سے متعارف کروانے اور ملک کے لیے جامع دستور وضع کرنے پر مرکوز رکھیں۔

۲۱ جنوری کو حتمی نتائج کا اعلان ہوا اور آغاز انقلاب کی پہلی سالگرہ ۲۵ جنوری سے صرف دو روز پہلے ۲۳ جنوری کو اسمبلی کا افتتاحی اجلاس ہوا۔ ۴۹۸ منتخب ارکان کے علاوہ دس نامزد کردہ کا اعلان کیا گیا، حلف برداری ہوئی اور پھر سپیکر کا انتخاب عمل میں آیا۔ اخوان کے اہم رہنما اور فریڈم اینڈ جسٹس پارٹی کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر محمد سعد الکتاتنی ۳۹۹ ووٹ لے کر پہلی آزاد اسمبلی کے سپیکر چن لیے گئے۔ اللہ کی قدرت دیکھیے کہ گزشتہ سال ڈاکٹر سعد 'لیمان' جیل میں تھے اور آج 'پارلیمان' کے دولہا بنا دیے گئے۔ دوسری جانب فرعون صفت سابقہ حکمران حسنی مبارک اپنے دونوں بیٹوں اور ظلم ڈھانے کے ذمہ دار وزیر داخلہ سمیت عدالت کے کٹہرے میں نصب پنجرے میں 'می لارڈ میں حاضر ہوں' کی صدا دے رہا تھا۔

ڈاکٹر سعد کی کامیابی کا اعلان ہوا تو کامل انکساری سے مبارک بادیں جمع کرتے، سپیکر کے لیے مخصوص نشست پر آئے اور حمد و ثنا کے بعد یہ آیت پڑھی: **قل بفضل اللّٰہ و رحمتہ خیر مما یجمعون** ۔ ڈاکٹر محمد سعد اکتوبر ۲۰۰۸ء میں مینار پاکستان پارک میں منعقد ہونے والے جماعت کے اجتماع عام میں اخوان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ پاکستان اور اہل پاکستان سے خصوصی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ دھیما مزاج لیکن اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے ہر دم چوکنا و بیدار رہنے والے ڈاکٹر سعد کے انتخاب کو مصر کے ہر مخلص شخص نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ یوں جیسے عمارت کی پہلی مضبوط اینٹ ٹھیک اپنی جگہ پر رکھ دی گئی ہو۔

آیندہ مراحل میں اب ۲۹ جنوری سے مجلس شوریٰ یعنی سینٹ کے انتخاب شروع ہونا ہیں۔ یہ بھی تین مراحل میں اور عام ووٹنگ کے ذریعے مکمل ہوں گے۔ پھر دونوں ایوانوں کے ارکان مل کر ۱۰۰ رکنی دستوری کمیٹی منتخب کریں گے۔ کمیٹی زیادہ سے زیادہ چھے ماہ کے دوران دستور کا مسودہ تیار کرکے پارلیمنٹ میں پیش کرے گی اور دستور پیش ہونے کے ۱۵ روز کے اندر اندر عوامی ریفرنڈم کے ذریعے دستور کی منظوری ہوگی۔ اسی دوران صدارتی انتخابات کا اہم ترین مرحلہ بھی آئے گا۔ یہ بھی طے ہے کہ موجودہ فوجی سربراہ جنرل حسین الطنطاوی کو یہ صدارتی عہدہ بہرصورت ۳۰ جون سے پہلے پہلے نومنتخب کے سپرد کردینا ہے۔ عبوری فوجی حکومت سے اس تاریخ کا اعلان کروانا بھی عوامی تحریک کی ایک بڑی کامیابی تھی۔ آئندہ مراحل میں جو چند بڑے چیلنج درپیش ہیں ان میں سے ایک فوج کے کردار کا تعین بھی ہے۔ فوجی عبوری مجلس کی یقیناً یہ کوشش ہوگی کہ ۱۰۰ رکنی دستوری کمیٹی اور اس کی سفارشات میں اس کا کردار بھرپور رہے۔ انتخابات کے دوران اس نے قومی مجلس مشاورت کی تشکیل بھی اسی نقطۂ نظر سے کی تھی لیکن اخوان کی طرف سے اس میں شرکت سے معذرت اور مجلس مشاورت کے خلاف ہونے والے عوامی مظاہروں کے بعد وہ خود ہی مرجھا کر رہ گئی تھی۔ اب اسمبلی وجود میں آجانے کے بعد اس کی حیثیت مزید کم ہوگئی ہے اس کے کئی ارکان استعفیٰ بھی دے چکے ہیں۔

اخوان اور دیگر کئی جماعتیں یہ نہیں چاہتیں کہ فوج کے ساتھ خواہ مخواہ کا تصادم مول لیا جائے، لیکن وہ یقیناً یہ بھی نہیں چاہتیں کہ اصل اقتدار و اختیار فوج ہی کے ہاتھ میں رہے۔ نومنتخب سپیکر محمد سعد الکتاتنی نے اپنے افتتاحی خطاب میں شفاف انتخابات کی نگرانی کرنے والے ججوں کے علاوہ فوج کو بھی بھرپور خراج تحسین پیش کیا کہ اس نے وعدے کے مطابق، مقررہ وقت پر انتخابات کروادیے۔ اخوان کے دیگر ذمہ داران کے بیانات بھی آرہے ہیں کہ فوج ہمارا قومی ادارہ ہے اور اس کے خلاف مظاہرے جاری رکھ کر اسے اپنا دشمن نہیں قرار دینا چاہیے۔ یار لوگوں نے ان بیانات کو فوج اور اخوان کے مابین گٹھ جوڑ قرار دینا شروع کردیا۔ کچھ بزرجمہروں نے تو اخوان کو خود امریکا کے ساتھ ہی نتھی کردیا، لیکن اکل کھری حقیقت یہی ہے کہ اخوان ایک اللہ پر بھروسے اور عوام ہی کی تائید سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ وہ کسی بھی گٹھ جوڑ اور سازش کو اللہ کے ساتھ بدعہدی اور شہدا کے

خون سے غداری سمجھتے ہیں۔

اس حقیقت کو سب سے زیادہ وہی جانتے ہیں جو اخوان پر مختلف الزامات لگا رہے ہیں۔ ذرا ایک نظر اسرائیلی ذرائع ابلاغ کو دیکھیں۔ ایک قیامت برپا ہے۔ حکومتی ذمہ داران، فوجی جرنیلوں اور اعلیٰ پائے کے دانشوروں سے لے کر عام صحافتی تجزیہ نگار تک ہر کوئی واویلا کر رہا ہے کہ اسرائیل کا مستقبل سنگین خطرے سے دوچار ہوگیا ہے۔ روزنامہ یدیعوت احرونوت اپنے ایک مضمون ''مشرق وسطیٰ مسلمانوں کی جنت یہودیوں کا جہنم'' کے عنوان سے لکھتا ہے: ''تیونس میں اسلامسٹ نے ۴۰ فی صد ووٹ لے لیے ہیں، مراکش میں تقریباً ۳۰ فی صد، جب کہ مصر میں اخوان اور سلفی تحریک نے مل کر ۷۰ فی صد ووٹ حاصل کر لیے ہیں۔ لیبیا میں قذافی کے قتل کے بعد اسلامی شریعت چاہنے والے اقتدار کے ایوانوں میں ہیں۔ شام کی عبوری قومی کونسل کے ۱۹/ارکان میں سے ۱۵ اسلامی ذہن رکھتے ہیں''۔

پھر آگے چل کر لکھتا ہے: ''سیکولرازم لیکن کرپشن سے بھرپور چھے عشروں کے بعد مشرق وسطیٰ اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نظام میں ڈھل رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اب یہ تمام یہودیوں اور بے دین عناصر کے لیے جہنم بن کر رہ جائے گا''۔ یروشلم پوسٹ دھمکی آمیز لہجے میں لکھتا ہے ''اسرائیلی فوج کے منصوبہ بندی کمیشن نے فوری طور پر نئے فوجی دستے ترتیب دینے کی سفارش کی ہے۔ جلد یا بدیر ہمیں یقیناً مزید فوج کی ضرورت پڑے گی''۔ عبرانی یونیورسٹی کا پروفیسر اسرائیل شاحک لکھتا ہے: ''پورے کے پورے مشرق وسطیٰ پر اسرائیل کا کنٹرول رہنا ہماری دائمی پالیسی کا حصہ ہے۔ اس ابدی پالیسی پر ہر اسرائیلی متفق ہے''۔ وزیراعظم اسحٰق رابن کا دست راست ایتن ھابر لکھتا ہے: ''اس وقت تین بڑے خطرات اسرائیل کی سلامتی بلکہ اس کے وجود کو لاحق ہیں ان سے انتہائی حکمت و دانائی کے ساتھ نمٹنا ہوگا۔ اور وہ ہیں: عالم عرب میں انقلاب کی بہار، اسرائیل سے اس کا حق وجود سلب کرنے کی کوششیں اور ڈیموگرافک (یعنی ہماری مخالف آبادی کے بڑھتے چلے جانے کا) خطرہ''۔ مزید لکھتا ہے: ''عرب ممالک میں ریڈیکل اسلامی طاقتیں اقتدار میں آرہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسرائیل کے گرد ایسے ممالک کا حصار مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا جو اس کے وجود ہی کے خلاف ہیں (روزنامہ معاریف، ۱۱/۱۱/۲۷) اسرائیلی فوجی

جنرل بنیامین الیعازر مصری انتخابات پر تبصرہ کرتے ہوئے ۱۵ نومبر اور پھر ۳ دسمبر کو اسرائیلی سرکاری ریڈیو پر کہتا ہے: ''حالات تبدیل ہوگئے، مستقبل غیر واضح اور تاریک ہوچلا ہے''۔ اسرائیلی وزیر دفاع ایہود باراک بھی دہائی دیتا ہے: ''مصری انتخابات کے نتائج انتہائی پریشان کن اور ہوش اڑا دینے والے ہیں''۔ یہ اور اس طرح کے لاتعداد تبصرے اور تحریریں ہیں جو اسرائیل کی پریشان خیالی کا پرتو ہیں۔ اسرائیل کی اس کیفیت میں امریکا ان تمام ممالک میں اسلامی تحریکات کی کامیابی کو کیسے دیکھتا ہوگا، اندازہ مشکل نہیں ہے۔ لیکن ایک ہوتی ہے خواہش و کوشش اور دوسرے ہوتے ہیں تلخ زمینی حقائق۔ عالمِ عرب تبدیلی کا آغاز امریکا، اسرائیل اور ان کے حوالریوں کے لیے ایک کڑوی حقیقت تھی۔ امریکا اگر ان تمام ممالک اور ان کے عوام سے دشمنی مول لے لیتا تو اس کے خلاف جتنی نفرت اس وقت عالمِ اسلام میں پائی جاتی ہے اس میں کئی گنا اضافہ ہوجاتا۔ ظالم ڈکٹیٹروں کے خلاف غصے کا عوامی لاوا امریکا کی رہی سہی ساکھ کو بھی راکھ بنا دیتا۔ عرب انقلابات کی حمایت کر دینے کا مطلب کسی بھی صورت یہ نہیں ہے کہ وہ عوام کی حقیقی نمایندہ منتخب حکومتوں کو دل سے قبول کرلے گا۔ اس حقیقت سے خواص ہی نہیں، عوام بھی آگاہ ہیں۔

تیونس، مراکش اور مصر کی نومنتخب حکومتوں کے سامنے بیرونی خطرات ہی اصل آزمایش نہیں ہیں، اندرونی خطرات اس سے بھی زیادہ مہیب ہیں۔ بیرونی طاقتیں بھی مختلف اندرونی عناصر کو ہی آلۂ کار بناتی ہیں۔ امریکی وزارتِ خارجہ تو کھلم کھلا اعلان کرچکی ہے کہ وہ عالمِ عرب کی لبرل طاقتوں کی مدد کے لیے انھیں کروڑوں ڈالر دے چکی ہے۔ مصر کے نیم سرکاری اخبار الاہرام کے مطابق ۲۹ دسمبر کو سول سوسائٹی کے نام پر کام کرنے والی بعض تنظیموں کے دفاتر پر چھاپہ مارا گیا تو وہاں سے لاکھوں ڈالر اور اہم دستاویزات برآمد ہوئیں۔

نومنتخب اسلامی جماعتوں کو خود دینی جماعتوں سے بھی خطرات لاحق ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ دینی عناصر بدنیتی یا دوسروں کے بہکاوے میں آکر ہی مشکلات کا باعث بنیں، حُسنِ نیت سے بھی بے حکمتی کا ارتکاب کیا جاسکتا ہے۔ اسمبلی کے پہلے اجلاس کے پہلے ہی لمحات میں اس کا منظر دکھائی دیا۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی کارروائی سے پہلے ارکان کو حلف اٹھانا تھا۔ ۵۰۸/۱ ارکان میں سے ہر رکن کو انفرادی طور پر حلف کی عبارت پڑھنا تھی۔ مختصر عبارت میں ہر رکن اللہ کی قسم کھا کر اقرار کر رہا تھا کہ

وہ ملک کے لیے مخلص، عوامی مفادات کا نگہدار اور دستور کا پابند رہے گا۔ حزب اللہ کے پہلے رکن ممدوح اسماعیل کا نام پکارا گیا تو انھوں نے وہ دستور کا پابند رہنے والے آخری جملے کے بعد اضافہ کیا۔ ''اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کا پابند رہتے ہوئے''۔ یہ جملہ ہر مسلمان کے ایمان کا بنیادی حصہ اور دل کی آواز ہے لیکن حلف برداری کے وقت حلف نامہ رکنیت کے متن کی پابندی ضروری تھی۔ قائم مقام اسپیکر جو کہ ایوان میں سب سے معمر شخص وفد پارٹی کے رکن السقا تھے، نے اعتراض کیا کہ ''حلف کی عبارت میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی، حلف دوبارہ پڑھیں''۔ ممدوح صاحب نے بھی اصرار کیا کہ بس حلف پڑھ لیا دوبارہ نہیں پڑھوں گا۔ اسمبلی کی کارروائی کافی دیر تک اسی اصرار کا شکار رہی اور ذرائع ابلاغ نے غل مچا دیا۔ اسمبلی کا سب سے پہلا جھگڑا..... تحریک نے کیا۔ بعد میں آنے والے النور کے ارکان نے حلف نامے میں تو کمی بیشی نہیں کی۔ البتہ اس کی عبارت بلند آواز سے پڑھنے کے بعد دھیمی آواز سے مختلف جملے کہہ کر اپنی تسلی کر لی۔ اب فرض کیجیے کہ اس طرح کی کوئی عبارت باقاعدہ حلف نامے میں ہونا چاہیے تو اس کا باضابطہ طریقہ بھی یہ تھا کہ پہلے سب حلف اُٹھا کر رکن بن جائیں اور پھر دیگر جماعتوں کو بھی ساتھ ملا کر اس میں ترمیم کر لیں۔ یہ اسمبلی تو ویسے بھی دستور سازی ہی کے لیے بنی ہے۔ صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے آپ اخوان کے ساتھ مل کر کے دو تہائی سے زائد ووٹ رکھتے ہیں۔ کوئی بھی تجویز دستور ساز کمیٹی کے ذریعے شامل کروا سکتے ہیں لیکن اگرچہ یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے لیکن مستقبل کی خبر دیتی ہے۔ ان تمام خدشات کے باوجود، مصر اب باقاعدہ ایک نئے عہد میں داخل ہو چکا ہے۔ نومنتخب اسپیکر ملک کے ۳۳ویں اسپیکر ہیں لیکن اپنے افتتاحی خطاب میں اعلان کر رہے تھے: ''کئی عشروں سے جمہوریت خود ایوانِ جمہوریت میں بھی مفقود تھی، عوام نے اپنے انقلاب کے ذریعے ڈکٹیٹرشپ کے پنجوں سے چھین کر اسے آزاد کروایا ہے''۔ چلتے چلتے احساسِ ندامت کے ساتھ ذرا یہ خبر بھی پڑھ لیجیے کہ ان دنوں مصری ذرائع ابلاغ ایک امریکی تھنک ٹینک 'نیشنل انٹرسٹ' میں عارف رفیق کا تحریر کردہ مضمون نمایاں انداز سے شائع کر رہے ہیں۔ مضمون کا عنوان ہے: ''پاکستان بننے سے بچنے کے لیے مصر کو کیا کرنا ہوگا''۔ امریکی ادارہ اس ضمن میں پانچ مشورے دیتا ہے:

۱- فوج کو اقتدار میں مداخلت سے باز رکھیں ۲- پارلیمنٹ اور اس کے اختیارات میں

اضافہ کریں ۳- عسکری اداروں کے مقام و کردار کا تعین کرنے کے لیے مناسب قانون سازی کریں ۴- اقتصادی صورت حال بہتر بنائیں (پی آئی اے، ریلوے، اسٹیل مل وغیرہ کا خصوصی ذکر کرتے ہوئے) ۵- اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کریں۔ تجاویز درست لیکن امریکی ادارے نے یہ نہیں بتایا کہ ۳۰ سال سے زائد عرصے تک ایک فوجی حسنی مبارک کے فرعونی وفسادزادہ اقتدار کی حفاظت کس 'پاکستان' نے کی تھی؟ آج بھی اسرائیلی کیوں کہہ رہے ہیں کہ امریکا نے اسے گرنے سے نہ بچا کر سخت حماقت کی؟

مصر کی طرح یمنی عوام کے لیے بھی جنوری ۲۰۱۲ء کا آخری عشرہ تاریخی لمحات میں آیا۔ ۲۱ جنوری کو اس وقت عوام کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا جب ایک فوجی جنرل علی عبداللہ صالح نے سرکاری ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ: ''میں علاج کے لیے امریکا جارہا ہوں، ۳۳ سالہ اقتدار میں اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو میں اس پر معذرت خواہ ہوں''۔ علی عبداللہ بھی ڈکٹیٹر تھا لیکن یمن کی قبائلی روایات کے باعث وہ عوام پر صرف ایک حد تک ہی ظلم ڈھا سکتا تھا۔ ہر شخص روایتی خنجر اور کلاشنکوف کے علاوہ مضبوط قبائلی حصار کا تحفظ رکھتا تھا، لیکن چال بازیوں اور کہ مکرنیوں میں یمنی صدر سب کو مات دے گیا تھا۔ گذشتہ تقریباً گیارہ ماہ کی عوامی تحریک میں پوری قوم سڑکوں پر اُمڈ آئی تھی۔ اس نے بار بار مذاکرات کیے، معاہدے کیے، اعلانات کیے لیکن اپنا ہر عہد و پیمان اقتدار کے شمشان گھاٹ کی نذر کر دیا۔ خطرناک قاتلانہ حملہ بھی ہوا، اہم حکومتی عہدے داران مارے گئے، خود بھی شدید زخمی ہوگیا، علاج کے لیے سعودیہ لے جایا گیا، کئی روزہ افواہ گرم رہی کہ دنیا سے چلا گیا لیکن موقع ملتے ہی جھلسے ہوئے چہرے کے ساتھ نمودار ہوا اور کہا کہ میں بدستور صدر ہوں۔ پھر اعلان کیا کہ اقتدار چھوڑ رہا ہوں لیکن رات کی تاریکی میں ایک روز خاموشی سے یمنی دارالحکومت صنعا کے ایئرپورٹ اور وہاں سے ہیلی کاپٹر میں سیدھا ایوانِ صدر میں جا اُترا۔ آمد اتنی خفیہ تھی کہ ایئرپورٹ اتھارٹی اور ذاتی محافظوں کو بھی چند لمحے پہلے اطلاع ملی۔

یمنی عوامی تحریک کو مصر، تیونس یا لیبیا و شام کی طرح بہت زیادہ میڈیا کوریج نہیں ملی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جتنے بڑے بڑے عوامی اجتماع یمن میں ہوئے ہیں، ان میں سے کسی بھی ملک میں نہیں ہوئے۔ تقریباً گیارہ ماہ کی تحریک کے دوران کوئی جمعہ ایسا نہیں تھا کہ جب ہر بڑے شہر میں

کئی کئی لاکھ لوگ جمع نہ ہوں۔ ایک 'پیدل مارچ' تو ایسا انوکھا تھا کہ لاکھوں افراد نے جنوبی شہر تعز سے دارالحکومت تک ۲۵۰ کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کیا۔ پانچ روزہ پیدل سفر کے دوران جہاں سے بھی گزرا مزید افراد شریک ہوتے گئے لیکن 'مضبوط کرسی' کے جنون میں مبتلا صدر نے دارالحکومت کے باہر ہی شرکاے مارچ کو کچلنے کی ناکام کوشش کی۔ ۱۲ شہید اور ۳۰۰ سے زائد افراد زخمی ہوئے لیکن عوام کو قصرِ صدارت پہنچنا تھا۔ وہ بڑی تعداد میں پہنچ گئے۔ بذریعہ طیارہ امریکا کو پیارا ہونے سے پہلے علی عبداللہ نے اپنی آخری سیاسی جنگ اپنے اور اپنے اہلِ خانہ و رفقاے کار کے لیے استثنا حاصل کرنے کے لیے لڑی۔ وہ بضد رہا کہ اقتدار چھوڑنے کے بعد مجھ پر مظاہرین کو قتل کرنے سمیت کسی بھی طرح کا مقدمہ نہیں چلایا جائے گا۔ عوام نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا لیکن پھر خود ہی اسمبلی سے قرارداد منظور کروا کے بزعمِ خود تمام مقدمات سے بَری ہوگیا۔ علی عبداللہ صالح سمیت کوئی حکمران اس سوال کا جواب نہیں دیتا کہ اگر دامن واقعی پاک ہے تو عدالت سے کیوں گھبراتے ہو۔ اور اگر جرائم کیے ہیں تو کوئی عارضی استثنا 'اصل عدالت' اور اس کی سزا سے کیوں کر بچائے گا۔ وہ سزا تو خالدین فیھا کی نوید بھی سناتی ہے۔

علی عبداللہ کے خلاف تحریک کے آغاز ہی سے مغربی تجزیہ نگاروں نے لکھنا شروع کر دیا تھا کہ یمن میں تبدیلی آئی تو یہاں بھی الاخوان المسلمون برسرِاقتدار آجائے گی۔ اب اتنی تبدیلی تو آگئی کہ ۳۳ سال سے انا ولا غیری کا نعرہ لگانے والا رخصت ہوگیا۔ لیکن ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔ تیونس اور مصر کی صورت حال سے بچنے کے لیے پارلیمانی انتخابات سے پہلے ۲۱ فروری کو صدارتی انتخابات کروانے کا اعلان کیا گیا ہے، جب کہ انتخابات دو سال کے بعد ہوں گے۔ یمن میں اسلامی تحریک التجمع الیمنی للاصلاح کے نام سے سرگرمِ عمل ہے۔ دھن، دھونس اور دھاندلی کے بے شمار ہتھکنڈے استعمال کرنے کے باوجود الاصلاح پارلیمنٹ میں دوسرے نمبر پر آجاتی تھی، اب وسیع تر عوامی تحریک کے دوران بھی اس کا کردار مرکزی رہا، وہ نہ یہ دعویٰ کرتے ہیں اور نہ اس کے لیے کوشاں ہیں کہ علی عبداللہ کی طرح راندہ درگاہ کر دینے والا اقتدار انھیں مل جائے۔ البتہ ایک حقیقت نوشتۂ دیوار ہے کہ عوام کو ڈکٹیٹر سے نجات مل گئی اور اب عوام آزادانہ مرضی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرسکیں گے۔ مراکش، تیونس اور مصر کی طرح یمن کے عوام بھی اپنا

فیصلہ بہرصورت اسلام ہی کے حق میں دیں گے کہ یہی عالمِ عرب میں تبدیلیوں کا اصل عنوان ہے۔

اس وقت میدانِ عمل میں برسرِ پیکار عوامی تحریک شام ہی کی رہ گئی ہے۔ نصف صدی سے حکمران اسد خاندان دن رات قتلِ عام میں مصروف ہے۔ اب تک باقاعدہ اعداد و شمار کے مطابق شہدا کی تعداد ساڑھے چھے ہزار سے تجاویز کر چکی ہے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ دنیا کی نظروں میں ان کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ کچھ نہیں شامی عوام میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ احتجاج کا دائرہ ایک کے بعد دوسرے شہر تک وسیع ہو رہا ہے۔ بشارالاسد اقتدار کی ناکام جنگ میں کسی بھی دشمن فوج سے زیادہ ظلم ڈھا رہا ہے۔ عرب لیگ نے شرماتے لجاتے ایک جائزہ وفد بھیجا لیکن قتل عام ان کی موجودگی میں بھی اسی طرح جاری رہا۔ اب وہ ایک اور وفد ارسال کر رہے ہیں۔ مظالم تو بشار بھی دیگر ڈکٹیٹر حکمرانوں کی طرح ڈھا رہا ہے لیکن ایک بات میں اس کی ظالم افواج سب سے بازی لے گئی ہیں۔ وہ گرفتار شدہ شہریوں کو تشدد اور ظلم کے آخری ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے انھیں مجبور کرتی ہیں کہ وہ بشارالاسد کی تصویر کو سجدہ کریں۔ وہ انھیں بشار پر دل و جان نچھاور کر دینے کا نعرہ لگانے پر مجبور کرتی ہیں۔ انھوں نے در و دیوار پر یہ کفریہ نعرے لکھ دیے ہیں: لا الٰہ الا الوطن ولا رسول الا البعث، ''وطن کے علاوہ کوئی معبود اور بعث پارٹی کے علاوہ کوئی رسول نہیں''۔ یہ تشدد اور نعرے اپنی تمام تر تصاویر اور وڈیوز کے ساتھ دنیا کے سامنے ہیں۔ دوسری طرف عوام کا نعرہ ہے: لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ، الشھید حبیب اللّٰہ (شہید اللہ کا محبوب ہے)۔ اب کسی کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ غالب کس کلمے کو ہو کر رہنا ہے۔